خانقاہِ چشتیہ صابریہ کا اصلاحی و دعوتی ترجمان

سہ ماہی

صدائے قطبِ دکن حیدرآباد

جولائی، اگست، ستمبر

سرپرست

فریدِ وقت جانشین قطبِ دکن

حضرت مولانا شاہ محمد نور الحق قریشی قاسمی دامت برکاتہم

مدیر

محمد فضیل قریشی

قطبِ دکن اکیڈمی حیدرآباد

فہرست مضامین

مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
درسِ قرآن	مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی	۳
درسِ حدیث	مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی	۵
سیرت (قسط نمبر:۱)	حافظ محمد سفیان قریشی	۷
حیات قطبِ دکن (قسط نمبر:۱)	مولانا سعید الحق صاحب قریشی	۱۰
مسئلۂ تمثیل	جانشین قطب دکن حضرت مولانا شاہ نور الحق قریشی	۱۳
قربانی اور اس کا پس منظر	محمد فضیل قریشی	۲۱
فضائل و مسائلِ قربانی	مولانا یوسف صاحب مفتاحی	۲۶
قربانی تین دن یا چار دن!	شیخ عتیق قاسمی پورنوی	۲۹

❑❖❑

سلسلہ وار (ماخوذ ہدایت القرآن)

درسِ قرآن

ازقلم:
مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

﴿وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾﴾ (سورۂ عصر، پارہ:۳۰)

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی، بے شک انسان یقیناً گھاٹے میں ہے؛ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے اور باہم تاکید کرتے رہے دینی حق کی اور باہم تاکید کرتے رہے برداشت کرنے کی۔

تفسیر: قیامت کے دن کیا فیصلے ہوں گے سورۂ عصر میں مختصر طور پر ان کو بیان کر دیا گیا ہے۔ آج کل ایک طریقہ یہ ہے کہ پبلک مقامات پر خبروں کا خلاصہ لکھ دیتے ہیں، جن پر نظر پڑتے ہی پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے، یہ سورت اسی طرح کی ہے، جیسے امتحان کا نتیجہ چند لفظوں میں بورڈ پر لکھ دیا جاتا ہے یا جلی عنوان قائم کر دیا جاتا ہے، جس سے پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

اس سورت میں قیامت کے دن کے فیصلوں کا خلاصہ ہے کہ جس قوم میں چار باتیں ہوں گی وہ کامیاب ہوگی، دوسرے ناکام ہوں گے اور دلیل خود انسان کے احوال ہیں۔

یہ سورت مختصر ہے؛ مگر نہایت اہم ہے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ: اگر قرآن میں صرف یہی سورت نازل کر دی جاتی تو ہدایت کے لیے کافی ہوتی۔ (فوائد)

انسان کے احوال جو اس سورت کے بعد اگلی پانچ سورتوں میں آرہے ہیں دلیل ہیں کہ قیامت کے دن سب لوگ گھاٹے میں رہیں گے؛ مگر جس قوم میں چار باتیں ہیں وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگی۔

(۱) قوم میں صحیح ایمان ہو اللہ پر، اللہ کے رسول پر، اللہ کے دین پر، اہل السنۃ والجماعت کے عقائد کے مطابق اعتقاد ہو۔

(۲) قوم اللہ کے دین پر عمل پیرا ہو، کرنے کے کام کرے اور نہ کرنے کے کاموں سے بچے، صرف نام کی مسلمانی نہ ہو؛ بلکہ اس کی عملی زندگی اس کے ایمانِ قلبی کا آئینہ دار ہو۔

(۳) قوم کے ہر فرد کے پیشِ نظر اجتماعی مفاد ہو۔ مسلمان ایک دوسرے کو قول و عمل سے تاکید کرتے رہیں کہ دینِ حق کو مضبوط تھامے رہیں، دین سے رشتہ منقطع نہ ہونے پائے۔

(۴) قوم کا ہر فرد ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت کرتا رہے کہ دین کی وجہ سے کوئی سختی یا پریشانی آئے تو آس نہ توڑیں، ہمت سے حالات کا مقابلہ کریں۔

ان ہی چار باتوں کو مختصر طور پر اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

درسِ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

ازقلم:
مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ أَبَابَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ قَالَ نَظَرْتُ إِلٰى أَقْدَامِ الْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى رُءُوْسِنَا وَنَحْنُ فِي الْغَارِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ! لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ إِلٰى قَدَمِهِ أَبْصَرَنَا، فَقَالَ يَاأَبَابَكْرٍ! مَاظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهَا. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جب ہم غار میں تھے (اس دَوران مشرکین ہمیں تلاش کرتے کرتے غار کے دہانے تک آپہونچے) مَیں نے جب مشرکین کے پاؤں اپنے سروں پر دیکھے تو مَیں نے کہا: یارسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی اپنے پاؤں کی طرف نظر کرلے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تیرا ان دوآدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔

حدیثِ مبارک کی تشریح میں علامہ طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: حدیثِ پاک میں غار سے مراد مشہور پہاڑ جبلِ ثور کے بالائی حصہ کی غار ہے اور جبلِ ثور مکہ کی مشرقی جنوبی سمت میں تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے، روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جبلِ ثور کے اس غار میں روپوش تھے کہ اچانک گماشتوں کی ایک ٹولی اس غار کے دہانے تک آپہونچی، جس کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سیّدالابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا غم لاحق ہوا اور فرمانے لگے: إِنْ تُصِبِ الْيَوْمَ ذَهَبَ دِيْنُ اللهِ (اگر آج آپؐ کو کچھ ہوجائے تو اللہ کا دین ختم ہوجائے گا)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گھراہٹ میں یہ الفاظ کہے تھے، جن کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل فرمارہے ہیں؛ کیونکہ وہ بالکل ہمارے غار کے منہ پر کھڑے ہیں، جوں ہی ان میں سے کسی شخص کی نظر اُن کے اپنے پیروں کی طرف جائے گی وہ ہمیں دیکھ لیں گے، اس طرح ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دسترس کا موقع مل سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان دلاتے ہوئے جو کلام فرمایا تھا اللہ تعالیٰ کو آپؐ کا یہ کلام اتنا پسند آیا کہ اس

مضمون پر مشتمل پوری آیت نازل فرمادی:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (سورۂ توبہ، پارہ:۱۰، آیت:۴۰)

ترجمہ: اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کر چکا ہے، جبکہ آپؐ کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا، جبکہ دو آدمیوں میں سے ایک آپؐ تھے، جس وقت کہ دونوں غار میں تھے، جس وقت آپؐ اپنے ہمراہی سے فرمارہے تھے کہ تم غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ہمراہ ہے۔

اسی موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان مشرکین کے حق میں بددعا فرمائی تھی: اَللّٰهُمَّ أَعْمِ أَبْصَارَهُمْ (اے اللہ! اِن کی آنکھوں کی بینائی معطل کر دے)؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اِن کو اِس طرح بے بصر کر دیا کہ وہ غار کے چاروں طرف گھومتے رہے؛ مگر اس کے اندر موجود آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔

قسط نمبر (۱)

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گوناگوں خصوصیات

ازقلم:
حافظ محمد سفیان قریشی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں یہ عجیب خصوصیت ہے کہ اس سے ہرطبقہ کا شخص ہدایت پاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کی ہوا میں سانس لینے سے پیشتر یتیم ہو چکے تھے؛ اِس لیے مسکینی اور غربت ایسے اوصاف ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توام ہیں۔

عمر کے ابتدائی سال دیہاتی زندگی میں بسر ہوئے تھے؛ اِس لیے سادگی و بے تکلفی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نشوونما پائی تھی۔ لڑکپن کا زمانہ ایسے وقت میں کٹا تھا جبکہ قوم حرب الفجار وغیرہ لڑائیوں میں مصروف تھی؛ اِس لیے امن بسیط اور ہمدردی عامہ کی قدر ومنزلت شروع ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاطر نشین تھی۔

۲۵ رسال کی عمر تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی نہیں کی، تجرد کا یہ زمانہ جو عین عنفوانِ شباب کا عالَم تھا، کمالِ عفت وعصمت، شرم وحیاء سے بسر ہوا۔ دیکھنے والوں کی شہادت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر باشرم وحیاء تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاش کے لیے تجارت کو پسند فرمایا تھا، اور اس طرح ان بلند حوصلہ لوگوں کے لیے جو ثبات واستقلال، معاملہ فہمی، ضرورت شناسی، حلم وبردباری سے متّصف ہوں، ہدایت فرمائی کہ تجارت سے بہتر اور کوئی معاش نہیں۔

مَردانہ جمال میں کمالِ حسین، حسب ونسب میں عالی خاندان ہونے پر بھی ایک بیوہ عورت سے جو عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۱۵ رسال زیادہ تھی پہلا نکاح کیا اور اس سے عقد بیوگان کی ضرورت اور عظمت پر نہایت شاندار نمونہ قائم فرمایا؛ نیز واضح کر دیا کہ متاہل زندگی میں بھی ہم کیوں کر شہوانی خیالات کے تقید سے آزاد رہ سکتے ہیں۔

یہ بیوی نہایت متمول تھی؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قانعانہ قابلیت اور زاہدانہ سیرت کی وجہ سے اپنے آپ کو بیوی یا اپنے خاندان کی مالی امداد سے ہمیشہ مستغنی ثابت کیا اور اس طرح اپنی مدد آپ کرنے والے کی سرِ راہ ایک مشعل روشن فرمائی۔

آنحضرت ﷺ نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی صادقانہ و ہمدردانہ زندگی کا اثر خوں خوار عرب پر پھیلا دیا تھا اور سب کے دلوں میں اپنے لیے عزت ومحبت کے ساتھ جگہ بنالی تھی اور اس طرح راست بازوں کے لیے درخشندہ مثال قائم فرمادی کہ کیونکر نیکی اور صداقت کی طاقت ظلم اور جہالت کو مغلوب کرسکتی ہے؟

آنحضرت ﷺ نے تعاون وتمدن کی برکات کو سمجھا اور حلف الفضول کے قائم کرنے سے قیامِ امن اور حفاظت نوعِ انسانی کی جدید سڑک تیار کردی اور ان منتظمین کو جو سچے دل سے کسی ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں، اسی ملک کے باشندوں کو شریک انتظام کرلینے کے زرّیں اُصول کا سبق دیا۔

حجرِ اسود کے نصب کرنے میں آنحضرت ﷺ نے بتادیا کہ جب مختلف اغراض اور مختلف مقاصد کے لوگ ایک جگہ جمع ہوجائیں تو ان کو کیونکر مرکزِ واحد پر لاسکتے ہیں؟ نیز ثابت فرمادیا کہ خدشہ جنگ کے ٹال دینے اور امن کو مستحکم رکھنے کے لیے جنگی طاقت کی نہیں؛ بلکہ اعلیٰ دماغی قابلیت کی ضرورت ہے۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت میں جملہ انبیاء علیہم السلام کی شان نظر آتی ہے۔

آپ ﷺ مسیح علیہ السلام کی طرح جھٹلائے گئے، ستائے گئے، پھر بھی صابر وشاکر ہی پائے گئے۔

آپ ﷺ نے یحییٰ علیہ السلام کی طرح بیابانوں اور بستیوں میں اللہ کی آواز کو پہنچایا۔

آپ ﷺ نے عیسیٰ رسول اللہ کی طرح اللہ کے گھر کی عظمت وحرمت کو ازسرِ نو زندہ فرمایا۔

آپ ﷺ نے ایوب علیہ السلام کی صبر وشکیبائی کے ساتھ گھاٹی میں تین سال تک محصوری کے دن کاٹے، پھر بھی آپ ﷺ کا دل اللہ کی ثناء گزاری سے لبریز اور زبان ستائش گوئی سے زمزمہ سنج رہی۔

آپ ﷺ نے نوح علیہ السلام کی طرح قوم کے برگشتہ بخت لوگوں کو خفیہ اور علانیہ، خلوت اور جلوت میں، میلوں اور جلسوں، گزرگاہوں اور راہوں پر، پہاڑوں اور میدانوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور لوگوں کو ان کے افعالِ بد سے نفرت دلائی۔

آپ ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کی، مادر وطن کو چھوڑ کر شجرۂ طیبہ اسلام کے لگانے کے لیے پاک زمین کی تلاش میں راہ نوارد ہوئے، آپ شب ہجرت کو داؤد علیہ السلام کی طرح دشمنوں کے نرغہ سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

اور یونس علیہ السلام کی طرح (جنہوں نے تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینویٰ میں اپنی منادی کو جاری کیا تھا) غارِ ثور کے شکم میں تین دن رہ کر پھر مدینہ طیبہ میں کلمۃ اللہ کی آواز کو بلند فرمایا۔

آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح جنھوں نے بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر کی غلامی سے آزاد کرادیا تھا،

شمالی عرب کو شاہِ قسطنطنیہ کی بندملوکیت سے اور شرقی عرب کو کسریٰ ایران کے حلقۂ غلامی سے اور جنوبی عرب کو شاہِ حبش کے طوقِ بندگی سے نجات دلائی۔

آپ ﷺ نے سلیمان علیہ السلام کی طرح مدینہ میں اللہ کے لیے ایک گھر بنایا جو ہمیشہ کے لیے اللہ کی یاد کرنے والوں سے معمور اور ضیائے توحید سے پُرنور رہا ہے، جسے کوئی بخت نصر جیسا سیاہ بخت ویران نہ کرسکا۔

آپ ﷺ نے یوسف علیہ السلام کی طرح اپنے ایذا رسان وستم پیشہ برادرانِ مکہ کے لیے نجد سے (بتوسط ثمامہ بن اَثال) غلہ بہم پہنچایا اور بالآخر فتح مکہ کے دن ''لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' کا مژدہ سنا کر ''أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ'' کے فرمودہ سے انہیں پابند منت واحسان بنایا۔ وقت واحد میں آپ ﷺ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحبِ حکومت تھے اور ہارون علیہ السلام کی طرح صاحبِ امامت بھی۔

ذاتِ مبارک ﷺ میں نوح علیہ السلام کی سی گرمی، ابراہیم علیہ السلام جیسی نرم دلی، یوسف علیہ السلام کی سی درگزر، داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات، یعقوب علیہ السلام کا سا صبر، سلیمان علیہ السلام کی سی سطوت، عیسیٰ علیہ السلام کی سی خاکساری، یحییٰ علیہ السلام کا سا زہد، اسماعیل علیہ السلام کی سی سبک روحی کامل ظہور بخش تھی۔ ؎

اے کہ بر تخت سیادت ز ازل جاداری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جاری.....

قسط نمبر (۱)

حیات قطبِ دکنؒ

از:

مولانا سعید الحق صاحب قریشی

خدا تعالیٰ کے محبوب بندوں کی زندگیاں ہر زمانے میں امت کے لیے بہترین نمونہ ثابت ہوتی ہیں، یہ جہاں بھی جاتے ہیں علم وفضل اور دعوت ودین کی روشنیاں بکھیرتے ہیں، ان کی شگفتہ روئی وخندہ پیشانی اور ہر انسان کے ساتھ کھلے دل کے ساتھ مسکرا کر ملنا دیکھنے والوں کے دلوں میں جگہ بنالیتا ہے، وہ ان سے محبت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، پھر وہ ان کی صحبت میں رہ کر اسلامی تعلیمات میں ڈھل جاتے ہیں، حسنِ سیرت وعمدہ اخلاق اُن کی پہچان بن جاتی ہے، ایمان وتقویٰ، صلاح وخیر، شب بےداری وآہ نیم شبی اور رات کے سنّاٹے میں جبکہ پورا عالم سورہا ہو لذتِ قیام کا نُور اُن کے چہروں پر جگمگانے لگتا ہے، بارگاہِ رب العزت کی حضوری ان کے قلوب کو گرمارہی ہوتی ہے۔

دکن کی تاریخ ایسے بےشمار خاصانِ خدا سے بھری پڑی ہے، جو اِس علاقہ میں اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے؛ لیکن سلطنتِ آصفیہ کے زوال کے بعد دکن میں جب ۱۹۴۸ء کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا تو مسلمان اس کے بعد سیاسی، سماجی، معاشی اور اخلاقی، الغرض ہر اعتبار سے اَبتر سے اَبتر حالت کا شکار ہوگئے، ایسے پُرآشوب ماحول میں ملّتِ اسلامیہ کو بےلوث، محنتی، جفاکش، ملک وملت کی ہمہ تن خدمت کرنے والے، ان کے درمیان اسلامی شعور کو پیدا کرنے والے، بلند کردار، حوصلہ منداور راستے کے پتھروں کو ٹھوکر لگا کر گزر جانے والے ایک ایسے قائد کی ضرورت تھی جو امتِ مسلمہ کو دوبارہ اپنی طاقت کے بل پر کھڑا کرسکے، ان کی غم خواری کرسکے، ان کے جیتے رہنے کے حق کو بحال کرسکے اور ان کے چہروں پر اُمید کی کرنوں کو جگا سکے۔

اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کے لیے حبِّ نبویؐ سے سرشار اور اسلام پر فدا ہونے کی کیفیت کے ساتھ، روحانیت اور ایمان ویقین میں ڈُھلی ہوئی اور خونِ جگر کے سانچے میں ڈھلی ہوئی سیرت کے ساتھ قطبِ دکن حضرت مولانا شاہ محمد عبدالغفور قریشی خلیفہ اجل شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کھڑے ہوئے اور گاؤں گاؤں، قریہ قریہ اور گوشے گوشے میں اسلام کی صدا لگائی، محمدی پیغام کے ذریعہ امت کو جھنجھوڑا اور اپنے شیخ

حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی توقعات کے سچے اور حقیقی مصداق ثابت ہوئے۔

حضرت قطبِ دکن نوراللہ مرقدہ کی طبیعت میں تواضع، خاکساری، بہت جلد مانوس کر لینے اور مانوس ہوجانے کی صفت غالب تھی، رہن سہن، بودوباش اور معاملات ومعاشرت کے دوران کبھی بڑائی پسندی کا اظہار نہیں جھلکتا تھا، کسی بے وقت آنے والے کی آمد پر نہ اس کو جھڑکتے، نہ آپ کے چہرے پر کوئی شکن ہوتی اور نہ بشاشت میں کوئی فرق آتا۔

حضرت قطبِ دکن رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ہم نشین یا دوست ودشمن کو حضرت کے کسی رویے سے کسی طرح کی ایذارسانی کا خوف دامن گیر نہیں ہوا کرتا تھا۔ دوسروں کو دَبا کر آگے بڑھنے جیسے اَمراض سے بالکل خالی اور کسی سے اپنا انتقام لینے کی صلاحیت سے حضرت مکمل عاری تھے۔

اپنی کم سنی میں مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں حضرت کے ساتھ رہا کرتا تھا، اس معیت کی وجہ سے دل ہی دل میں بے حد خوشی ہوا کرتی تھی کہ اللہ نے مجھے ایک ایسے بے مثال باپ کے زیرِ سایہ پرورش کا موقع عنایت فرمایا جو اپنی خداداد صلاحیت کے سارے خزانوں کے ساتھ خلقِ خدا کی خدمت میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ پھر قدم قدم پر حضرت قطبِ دکن نوراللہ مرقدہٗ کی بے پناہ محبت، پُرخلوص شفقت اور حقیقی پدرانہ سلوک کا بہ خوبی اندازہ ہوتا تھا، بہت دفعہ ایسا لگا جیسے میں ان کے دل کے آئینہ میں اپنی تصویر مجسم دیکھ رہا ہوں اور وہ اس کشادہ دل میں مجھے سمالیں گے۔

پھر شرفِ تلمذ کے ساتھ ساتھ راہِ سلوک میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل سرپرستی حاصل رہی، اس دَوران والدگرامی حضرت قطبِ دکن نوراللہ مرقدہٗ کی جلوت وخلوت، سفر وحضر کا باریک بینی سے تقریباً تین دہائیوں تک مشاہدہ رہا ہوں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج بھی یہ ساری باتیں میری آنکھوں میں رَچی بسی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کی پوری توجہ کارفرما ہے۔

حضرت قطبِ دکن نوراللہ مرقدہٗ کا وصال ہوکر پچیس برس کا ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اور اس لمبے عرصے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر موقع بہ موقع اخبارات ورسائل میں بہت کچھ لکھا گیا؛ لیکن ضرورت تھی ایک ایسے سوانحی خاکہ کی جس میں ولادت سے لے کر وفات تک سارے حالات بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیے جائیں اور اس کے ضمن میں آباء واجداد کے مختصر نقوش بھی قلم بند کیے جائیں؛ نیز وابستگان اور منتسبین کا کافی عرصہ سے اصرار بڑھتا جارہا تھا کہ حضرت قطبِ دکن نوراللہ مرقدہٗ کے حالاتِ زندگی کو یکجا طور پر تحریری شکل میں پیش کیا جائے۔

ان گزارشات اور وقت کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حالاتِ زندگی کو تحریری انداز میں سمیٹا گیا ہے، جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ کے نشیب وفراز اور مختلف اَدوار مناسب ترتیب کے ساتھ سپردِ قرطاس کیے گئے ہیں۔

خداتعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کوشش پڑھنے والوں کے لیے دل کی ٹھنڈک اور راہِ خدا میں قربان ہونے کا سبب بن سکے۔آمین

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہوجانا

(ماخوذ احادیثِ تصوّف)

مسئلۂ تمثیل

از:
جانشین قطب دکن
حضرت مولانا شاہ نورالحق قریشی

عن النسائي في حديث عمر بن الخطاب رضي الله عنه حين جاء جبرئيل عليه السلام يسأل عن أمور الدين قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم: وأنه لجبرئيل عليه السلام نزل في صورة دحية الكلبي.

ترجمہ: نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مسائلِ دین پوچھنے حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لے آئے تھے، یہ بھی مذکور ہے کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں نازل ہوئے تھے۔

کوئی ذات باوجود بقاء اپنی حالت وصفت کے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے اس کو ''تمثیل'' کہتے ہیں۔اس دوسری صورت کو صورتِ مثالی کہتے ہیں۔خواب اور مکاشفات میں تو اکثر اشیاء متمثل ہوتی ہیں اور خرقِ عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی تمثل ہوتا ہے۔اِس حدیث سے اِس کا اثبات ہوتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام صورتِ بشری میں متمثّل ہوئے، یہ نہ تھا کہ فرشتے سے آدمی بن گئے؛ ورنہ استحالہ وانقلاب ہوتا۔قرآن مجید بھی اس کا مثبت ہے **قال الله تعالیٰ:** ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝﴾ یعنی جبرئیل علیہ السلام حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے روبرو ایک صحیح سالم بشر کی شکل میں متمثّل ہوگئے۔اور اس سے جواز تناسخ کا دھوکہ نہ ہوجائے؛ کیونکہ تمثّل میں ذات کو اپنی کسی حالت سے انتقال نہیں ہوتا اور اس سے جواز تناسخ میں روح کا منتقل ہونا اعتبار کیا گیا۔

وضاحت: حدیث پاک میں جو حضور ﷺ نے بتلایا کہ جبرئیل علیہ السلام دحیہ کلبیؓ صحابی کی شکل میں تشریف لائے، اور قرآن میں جو آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے روبرو صحیح سالم بشر کی شکل میں ہوکر آئے اور پھونک ماری اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو حمل قرار پایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمثّل ہوسکتا ہے، یعنی کوئی ذات کسی دوسری شکل میں آسکتی ہے، اس دوسری صورت کو مثالی صورت کہتے ہیں۔

اس پر تفصیلی نظر ڈالیے تو بات واضح ہوگی۔ فرشتہ تو لطیف ہے، نُور سے بنایا گیا ہے اور شیطان وجن بھی لطیف ہے کہ آگ لطیف چیز سے پیدا کیا گیا ہے، یہ دونوں اپنی لطافت کی وجہ سے دوسری شکل میں آسکتے ہیں، اس میں تعجب کی بات نہیں ہے۔ شیطان پہلی امتوں میں انسان کی شکل میں آکر لوگوں کو بہکایا کرتا تھا؛ مگر حضور ﷺ کی برکت سے آپ ﷺ کی امت میں شیطان انسانی شکل میں نہیں آرہا ہے، یہ اور بات ہے کہ نفس میں وسوسے ضرور ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴾ وہ وسوسے ڈالتا ہے لوگوں کے سینوں میں۔

اِس طرح خواب ہوتے ہیں تو وہ بھی دوطرح کے ہوتے ہیں، اچھے وصحیح بھی ہوتے ہیں اور بُرے غلط شیطانی پریشان کُن بھی ہوتے ہیں۔

اولیاء اللہ، بزرگانِ دین خواب میں آتے ہیں، فیض دیتے ہیں، بشارتیں دیتے ہیں، پہلے فرشتوں کو لیجیے، حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم تلاوت کرتے ہی رہتے تو فرشتے آتے اور تم سے مصافحہ کرتے۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہما سے حضور ﷺ نے فرمایا: جو حالت میرے حضور میں ہوتی ہے، اگر وہ ہمیشہ قائم رہے تو تمہارے بستروں پر اور بازاروں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ہاروت اور ماروت دو فرشتے جادو سکھانے کے لیے آدمی کی شکل میں آگئے تھے اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہم فتنہ ہیں، ہم سے وہی چیز سیکھو جو لوگوں کو نفع دے، ایسی چیز ہم سے نہ سیکھو جو لوگوں کو نقصان دے۔

جنگِ بدر میں حضور ﷺ کی تسکین کے لیے اور مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تین ہزار؛ بلکہ پانچ ہزار فرشتے وردی پہنے ہوئے ہم آپؐ کی مدد کے لیے بھیجتے ہیں؛ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہماری تلوار دشمن کی گردن پر چلنے سے پہلے دشمن کی گردن الگ ہوجاتی تھی۔

شبِ قدر کے بارے میں فرمایا گیا کہ رحمت کے فرشتے زمین پر اُتر جاتے ہیں اور جہاں لوگ عبادت میں مصروف ہوتے ہیں وہاں پہنچ جاتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام عبادت کرنے والوں سے مصافحہ کرتے ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ جس سے جبرئیل علیہ السلام مصافحہ کرتے ہیں اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

مرنے والے کو تو اگر وہ جنتی ہے رحمت کے فرشتے نظر آتے ہیں اور اگر وہ جہنمی ہے تو اسے عذاب کے فرشتے نظر آتے ہیں۔

حضور ﷺ جہاں جبرئیل علیہ السلام کو دحیہ کلبیؓ کی شکل میں دیکھتے تھے، ان کی اصلی شکل میں بھی آپ

ﷺ نے دیکھا اور یہ دیکھا کہ مشرقی حصہ ان کی جسامت سے بھر گیا ہے۔ بعض اللہ والے حور و ملائک کو بیداری کی حالت میں بھی دیکھا کرتے ہیں۔

حضرت ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ کو شہادت سے چھ ماہ قبل سے حوریں نظر آیا کرتی تھیں۔ حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابری کلیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے ہی میں رہا کرتے تھے، حجرے سے باہر آکر لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتے تھے، اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپؒ نے فرمایا کہ: مَیں ہمیشہ فرشتوں میں رہا کرتا ہوں۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ خوابوں میں تمثّل کے واقعات تو بے حد و بے شمار ہیں اور طالب و سالک تو اپنے پیر اور بزرگانِ دین کو اپنے خوابوں میں دیکھتا ہے اور رہبری پاتا ہے، بشارتوں سے نوازا جاتا ہے۔ خود سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرید ہونے سے کئی سال قبل خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کی محفل ہے، حضرت میاں جیونُور محمد صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، حضور ﷺ آپؒ کے ہاتھ کو حضرت میاں جیونُور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے رہے ہیں، خواب سے بیدار ہوکر عرصے تک پریشان وتلاش میں رہے کہ وہ کون بزرگ ہیں، کہاں ہیں جن کے ہاتھ میں حضور ﷺ نے میرا ہاتھ دیا، وہ کہاں ملیں گے؛ تاکہ مَیں ان سے مُرید ہوں اور ان سے فیض حاصل کروں، ایک عرصے کے بعد ایک آپ کے دوست نے پتہ دیا کہ لوہاری میں ایک مسجد کے مُلاجی رہتے ہیں، ان سے تم ملو تو تمہاری مراد پوری ہوگی۔ شوق تو بہت تھا، آپؒ لوہاری پہنچے اور مسجد پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی بزرگ ہیں جن کے ہاتھ میں حضور ﷺ نے آپؒ کا ہاتھ دیا تھا، دیکھتے ہی حضرتؒ کے پیروں پر آپؒ گر گئے اور عرض کیا کہ مجھے آپؒ مرید فرمالیجیے، حضرت میاں جیونُور محمدؒ نے فرمایا کہ کیا تم کو اپنے خواب پر پورا بھروسہ ہے۔

خیال فرمائیے کہ یہ بزرگوں کا کیا حال ہے کہ کئی سال پہلے کے خواب کی یہ اطلاع رکھتے ہیں گویا حضور ﷺ کی محفل کی حاضری ان بزرگوں کی ایسی تھی کہ وہ اس محفل میں ایسے موجود تھے جیسے زندگی میں حاضر موجود ہوں۔ خوش نصیب اللہ والے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھتے ہیں؛ بلکہ ہمیشہ دیکھتے ہیں۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی شیخ العرب والعجم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ جب ایک دفعہ انگریزوں کی جیل سے رِہا ہوکر دارالعلوم دیوبند آئے تو تمام طلبہ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہم کو جیل کے کچھ حالات سنائیے، آپ نے مدرسہ میں سب کے سامنے کھڑے ہوکر ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا کہ کاش! مَیں جیل ہی میں رہتا کہ جتنی راتیں جیل میں گزاریں ہر رات حضور ﷺ خواب میں تشریف لاتے تھے، ایسی ہی اللہ والوں پر حضور ﷺ کی شفقتیں رہتی

ہیں، جب ہی تو مصائب کے پہاڑ اپنے سر پر لیے دین کے کاموں میں زندگی بھر پھرا کرتے ہیں؛ ورنہ کمزور انسان کیا مصائب کو برداشت کرے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ پر ایک دفعہ فالج کا اثر ہوگیا، رات خواب میں حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا تمہارا مزاج کیسا ہے؟ تمہاری مزاج پُرسی کے لیے آیا ہوں، پھر اپنا لعابِ دہن مبارک آپ کے جسم پر لگایا، جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو خود کو گویا صحت پایا۔

مَیں نے ملازمت کے دَوران ارادہ کیا کہ مجھے تو کچھ حاصل نہیں ہوا، دوسال دارالعلوم دیوبند رہ کر کچھ حاصل کر کے آؤں، حضرت خواب میں تشریف لائے اور حضرت میاں اصغر حسین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبندؒ بھی ہیں، جو بہت بڑے بزرگ تھے، جن سے مَیں نے ابوداؤد بھی پڑھی ہے، حضرتؒ نے حضرت میاں صاحب سے میرے بارے میں فرمایا، مولانا عبدالغفور کو روکیے، وہ دارالعلوم دیوبند نہ آئیں، خوابوں سے سب ہوجائے گا۔ مَیں نے دیوبند جانے کا ارادہ ترک کردیا اور حضرتؒ کا کہنا صحیح پارہا ہوں، حضرتؒ کے فیض میں ترقیات پارہا ہوں، اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے فیض کو تاعمر جاری رکھے۔

مشاہدات ومکاشفات میں بھی اکثر خوابوں کی طرح حضور ﷺ کا اور اہل اللہ کا تشریف لانا اللہ والوں پر بکثرت ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میرے خسر حضرت قاری غلام حسین خان صاحب اچانک بیداری میں تشریف لائے، سیاہ دھاریوں والی شیروانی پہنے ہوئے تھے۔

بلہاری ضلع میں عبدالرحمٰن بزرگ تھے، انھوں نے فرمایا کہ ابھی ابھی میرے پاس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تشریف لائے، مَیں نے حضرت کو گرم گرم چائے پیش کی، حضرتؒ نے نوش فرمائی۔ انہیں کا واقعہ ہے کہ ساتھیوں نے حج کا ارادہ کیا اور بہانہ کر کے ان کو بھی بمبئی تک ساتھ لے گئے اور جہاز میں بھی چڑھالیا، جب سیٹی ہوئی، سیڑھی نکالی جانے لگی، تو انہوں نے اُترنے کا ارادہ کیا، ساتھیوں نے کہا ہم نے آپ کا ٹکٹ لے لیا ہے، اس پر آپ کو رنج ہوا اور دل میں کہا حضور ﷺ مَیں ایسے ساتھیوں کے ساتھ آنا نہیں چاہتا، کسی دوسرے وقت آؤں گا، ان کا ایسا دل میں کہنا تھا کہ تھوڑی دیر بعد ہی جہاز کے کنارے پر حضور ﷺ کو دیکھا، دوڑ کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضور! آپ تشریف لائے؟ حضور ﷺ نے عرض کیا، اگر اس وقت آپ آنا نہیں چاہتے تو نہ آیئے، پھر کسی وقت آنا۔ اس کے بعد تھوڑی دُور جہاز گیا تھا کہ کپتان نے اعلان کیا جہاز خراب ہوگیا ہے، اگر آگے جائے گا تو خطرہ ہے، جہاز بمبئی واپس جائے گا؛ چنانچہ جہاز بمبئی واپس ہوا اور بمبئی پہنچا، حضرت جہاز سے اُتر گئے، تھوڑی درستی کے بعد جہاز روانہ ہوگیا۔

بزرگوں کی زندگیاں ایسے مشاہدات ومکاشفات سے بھری پڑی ہیں۔ اب ایک اہم بات کی طرف جو حضرتؒ نے ارشاد فرمائی ہے کہ خرقِ عادت کے طور پر بیداری میں بھی مثالی صورت نظر آتی ہے۔

اجمیر شریف میں اکثر لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا ہے کہ حضرت سرکار غریب نواز کسی کسی سے ملاقات فرماتے ہیں۔

میرے چچا عبدالرحیم صاحب مرحوم ایک دفعہ اجمیر گئے اور ارادہ کیا کہ جب تک حضرت خود مجھے نہ کھلائیں مَیں نہیں کھاؤں گا، تین دن فاقہ میں گزر گئے، یہ نماز سے فارغ ہوکر زیارت کے لیے چلے، تو دروازہ پر ایک بزرگ آش لیے کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں: پی لے بھائی مجھے کیوں پریشان کررہا ہے، یہ آش پینے میں رہے کہ حضرت غائب ہوگئے۔

حضرت سیّد احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ پاک کی حاضری کے وقت حضور ﷺ سے عرض پرداز ہوئے کہ یارسول اللہؐ! ہمیشہ تو مَیں اپنی روح کو آپؐ کے حضور میں بھیج دیا کرتا تھا، اب مَیں خود جسم کے ساتھ حاضر ہوا ہوں، ملاقات کی تمنا رکھتا ہوں، شرفِ ملاقات سے نواز دیجیے، اس ندا پر ہزاروں لوگوں نے کیا دیکھا کہ مزارِ مبارک ﷺ سے دونوں ہاتھ باہر آئے اور حضرت سیّد احمد کبیر رفاعیؒ سے مصافحہ فرمایا۔

حضرت مدنیؒ کو دیکھا گیا کہ اندھیری رات میں گنگوہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے مزار کی طرف چپکے سے نکل جاتے اور کیا دیکھا جاتا کہ حضرت گنگوہیؒ مزار پر تشریف فرما ہیں اور دونوں گفتگو اور راز و نیاز میں مصروف ہیں، پھر چپکے سے آپ واپس تشریف لائے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا واقعہ سننے میں آیا کہ ایک رات آپؒ بوستاں کا ایک شعر گنگنا رہے تھے، اس شعر کا ایک مصرعہ تو پڑھ رہے ہیں؛ مگر دوسرا مصرعہ یاد نہیں آرہا ہے، ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ دوسرا مصرعہ پڑھتے ہوئے کملی اوڑھے جارہے ہیں، یہ۔۔۔ مسرت میں کہ یہ کون صاحب ہیں دوڑے ہوئے گئے اور ہاتھ پکڑ کر پوچھا آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ''مُرا سعدیؒ شیرازی می گویند''(۱) اور پھر غائب ہوگئے۔

حضرت شمس الدین ترک پانی پتی، حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر پیا کی نمازِ جنازہ پڑھانے والے نقاب پوش سے جب وہ نماز پڑھا کر جانے لگے تو دوڑ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر عرض کیا حضرت اب تلائیے فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے؟ نقاب پوش بزرگ نے نقاب اُلٹی اور فرمایا کہ اتنی جلد تُو مجھے بھول گیا، دیکھ وہ میت جنازہ فنا ہے اور اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ بقا ہے۔ آج تک بھی دیہاتوں میں ہر مذہب وملّت کے لوگوں کی زبان پر

(۱) مجھ کو لوگ شیخ سعدی شیرازی کہتے ہیں۔

ہے کہ ان کے مقام کے بزرگ جو قدیم زمانے میں وہاں آئے اور وہیں مدفون ہوئے راتوں میں پورے گاؤں کی نگرانی کرتے ہوئے گھوڑے پر سوار پورے گاؤں کا چکر لگاتے ہیں۔ بعض اہل اللہ تو شیر اور ہرن کی شکل میں بھی نظر آتے ہیں۔

ہمارے وطن کے قریب چاکور ایک مقام ہے، وہاں ایک پہاڑی پر حقانی بابا بزرگ کا مزار ہے، بڑے اُونچے بزرگ ہیں، رات میں وہاں کوئی نہیں ٹھہرتا، ہمارے ساتھی مولانا یعقوب خاں صاحب مرحوم کچھ ساتھیوں کے ساتھ وہاں گئے اور رات میں وہیں ٹھہر گئے، رات میں نعت وقصائد پڑھنے لگے، تھوڑی دیر میں کیا دیکھا، سامنے ایک شیر آکر سنتے ہوئے بیٹھ گیا، یہ لوگ گھبرا گئے، شیر چلا گیا، یہ لوگ بھی گھبرا کر وہاں سے اُتر کر آگئے؛ حالانکہ وہاں شیر وغیرہ نہیں رہتے، آبادیاں قریب ہیں، کوئی جنگل جھاڑی بھی نہیں ہے اور نہ کبھی وہاں شیر کی آمد دیکھی گئی اور نہ سنی گئی۔

میں لاتور میں ہائی اسکول میں مدرس تھا، پولیس ایکشن کے بعد ہر طرف گھبراہٹ تھی، عید کا موقع آیا، مَیں اودگیر عید کے لیے آیا، اسی شب لاتور میں خواب ہوا، حقانی بابا خواب میں آئے، انگریزی لباس میں ہیں اور فرمایا: تمہارا بیان بہادر یار جنگ جیسا ہے، مَیں نے ادھر دھیان نہیں دیا اور نہ اکثر دھیان دیتا ہوں، اودگیر پہنچا، عید کی نماز کے لیے عیدگاہ گیا، پہلی بار لوگ عیدگاہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اس سے قبل گھبرا کر مساجد ہی میں عید کی نماز پڑھ رہے تھے، احباب کا اصرار ہوا کہ مَیں اس موقع پر عید کی نماز سے قبل کچھ بولوں، مَیں بولنے لگا، غیر معمولی پُرجوش و پُراثر بات رہی، گویا ان بزرگ کا تصرف تھا، جو ایسے موقع سے اسی بے خوف وزور وشور سے بات رہی۔

حقانی بابا ہی کا واقعہ ہے کہ ایک غیر مسلم آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور آپ کی خدمت میں رہا کرتا تھا، اس کے ماں باپ کاشی، بنارس، گنگا اشنان کے لیے جارہے تھے، اس نے بھی کہا حضرت! مَیں بھی اپنے لوگوں کے ساتھ کاشی، بنارس جاتا ہوں، آپ نے فرمایا مَیں یہیں سے تجھے گنگا اشنان کرادیتا ہوں، کہا جاتا ہے کہ وہ یہیں رہ گیا، جس دن کاشی، بنارس میں پوجا اور اشنان کا دن تھا، اس نے یاد کیا کہ میرے لوگ آج اشنان کررہے ہوں گے، آپ نے فرمایا: جا باؤلی سے گھڑے میں پانی بھر کر لا، وہ گیا، باؤلی میں اُترا تو کاشی، بنارس پہنچ گیا، سب سے وہاں ملا، گنگا اشنان کیا، نہا کر اُوپر نکلا تو اسی باؤلی کے اُوپر تھا، جہاں حضرت کے حکم پر پانی لانے کے لیے گیا تھا، حضرت کے پاس پانی لے کر آیا، حضرت نے کہا: کیا اشنان ہوگیا؟ سب سے ملاقات ہوگئی؟ اس نے کہا ہاں حضرت! سب ہوگیا۔ حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر وہ اسلام لے آیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے اسی طرح دورانِ درس ایک طالبِ علم کے ہاتھ کو اپنے زانو پر رکھا، اور اس کو دہلی اور اس کے گھر پہنچادیا، جب ہاتھ ہٹایا تو وہ حضرت کے درس ہی میں تھا، اس کو حدیث میں ''طی الارض'' کہا جاتا ہے۔

کرنول ضلع میں حضرت غوثِ پاکؒ کے دورزاقی صاحبزادے ہیں، دونوں حیات میں ایک دوسرے سے ملنے آیا کرتے تھے، کبھی صورت بدل کر ہرن کی شکل میں آتے تو ساتھی پہچان لیتے کہ بھائی آئے ہیں اور فرماتے جانور کی بُو آرہی ہے، وہ بھی سمجھ لیتے کہ بھائی نے پہچان لیا اور پہچان کر کہہ رہے ہیں کہ جانور کی بُو آرہی ہے۔

بزرگوں کا صورتِ مثالی میں آنا حیات میں بھی ہوتا ہے اور بعد حیات بھی ہوتا ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے ایک صاحب کو ان کے اصرار پر کلیر شریف جانے کی اجازت دی اور فرمایا فلاں پُل کے قریب ایک بزرگ ملیں گے تم ان سے ملنا، یہ کلیر شریف گئے، راستے میں پُل پر ایک بزرگ ملے، واپسی پر حضرت سے پوچھا وہ کون بزرگ تھے، حضرت نے فرمایا وہی حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ تھے۔

حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوثِ صمدانی شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی جب شہرت ہونے لگی، تو لوگوں نے آزمانا چاہا اور سو آدمیوں نے آپ کو ایک ایک کر کے ایک ہی وقت میں آپ کو دعوت دی، آپ پر ان کا ارادہ منکشف ہوگیا، آپ نے سبھوں کی دعوت قبول کر لی، ہر ایک کو آپ کی دعوت میں آنے کا یقین ہوا اور ہر ایک نے حضرت کے شایانِ شان دعوت کا انتظام کیا، کسی کو یہ گمان نہیں آیا کہ حضرت میرے پاس کیا آئیں گے، سو لوگوں میں سے کسی ایک کے پاس ہی تو جائیں گے؛ مگر حضرت ہر ایک کے پاس وقت مقررہ پر پہنچے، ہر جگہ محفل اور ہر جگہ گفتگو، کھانا برابر رہا۔ جب صبح ہوئی تو ہر ایک کو معلوم ہوا کہ حضرت ہر ایک کے پاس تشریف لائے تھے۔ یہ صورتِ مثالی فرشتوں ہی کو حاصل نہیں ہے؛ بلکہ اللہ والے جو اپنے قلب وروح اور اپنے لطائف کو لطیف سے لطیف بنالیتے ہیں تو فرشتوں کی طرح لطیف بن جاتے ہیں اور صورتِ مثالی میں آنے کی ان کو قدرت پیدا ہوجاتی ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ کبھی ان کی ذاتی صورت ہی پر صورت مثالی ہوتی ہے اور کبھی بدلی ہوئی بھی ہوتی ہے اور آدمی یقینی طور پر سمجھ نہیں پاتا کہ فلاں بزرگ ہیں اور کبھی انداز سے سمجھ بھی جاتا ہے۔

سردارِ دوعالم ﷺ نے جو فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے یقیناً دیکھا، یہ سارے بزرگوں کے واقعات آپ ﷺ کے اس فرمانے کی بنیاد پر ہیں۔ آپ ﷺ کو بھی بعض اللہ والے آپ ﷺ کی اصلی صورت میں دیکھتے ہیں اور کبھی بدلی ہوئی صورت میں دیکھتے ہیں، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ بدلی ہوئی صورت میں دیکھنا دیکھنے والے کی باطنی کیفیت پر ہوتا ہے۔

بعض دفعہ مرید حضور ﷺ کو اپنے پیر کی شکل میں دیکھتا ہے، اس میں یقین دہانی مقصود ہوتی ہے کہ تمہارا پیر میرا سچا جانشین ہے، حضرت نے ایک شبہ کا ازالہ بھی فرمایا کہ یہ صورتِ مثالی بندوں کا عقیدہ تناسخ نہیں ہے، ان کے عقیدے کے موافق روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتی ہے، یہاں تمثّل صورتِ مثالی میں ذات اپنے حالات اور صفات کے ساتھ ہی ہوتی ہے، وہ ذات منتقل نہیں ہوتی؛ بلکہ ذات جوں کی تُوں اپنی جگہ رہتی ہے، صرف صورتِ مثالی اختیار کرتی ہے۔ جیسے جبرئیل علیہ السلام فرشتہ ہی ہیں، وہ کوئی دحیہ کلبیؓ صحابی انسان نہیں ہو گئے، وہ اپنی حالت اور کیفیت میں کوئی تبدیل نہیں ہوئے، صرف دوسری شکل میں انہوں نے ظہور کیا؛ اِس لیے یہ صورتِ مثالی تناسخ نہیں ہوسکتا؛ ورنہ استحالہ وانقلاب ہوتا۔

❑❖❑

قربانی اور اُس کا پسِ منظر

از قلم:
محمد فضیل قریشی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَ لَا دِمَآؤُھَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ؕ﴾ (سورۂ حج، آیت:۳۷)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس (قربان ہونے والے) جانوروں کا نہ گوشت پہونچتا ہے نہ ان کا خون؛ لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے۔

عیدِ قرباں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے بندوں کی مہمان نوازی ہے اور بندے کی جانب سے اس میں خلوصِ عمل اور صفائی نیت کا اظہار ہوتا ہے، باری تعالیٰ کے لیے جذبات کی قربانی اور خواہشاتِ نفس کو مٹانے کا عملی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

راہِ خدا میں خون بہانے اور قربانی دینے کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی پُرانی تاریخ سیّد البشر حضرت آدم علیہ السلام اور نسلِ انسانی کی ہے؛ چنانچہ قرآنِ مجید کچھ اِس طرح اس کا نقشہ کھینچتا ہے:

﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِھِمَا وَ لَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۲۷)

ترجمہ: جب (ہابیل اور قابیل) دونوں نے قربانی پیش کی تو دونوں میں سے ایک کی جانب سے قبول کر لی گئی اور دوسرے کی رَد کر دی گئی۔

قربانی ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، چاہے وہ کسی جانور کو ذبح کر کے ہو یا عام صدقہ وخیرات کے ذریعہ ہو؛ لیکن ہم جس قربانی کا یہاں ذکر کر رہے ہیں وہ جانور ذبح کرنے سے پوری ہوتی ہے۔

راہِ خدا میں جانوروں کی قربانی کا پسِ منظر یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد قدرت نے توالد وتناسل اور نسلِ انسانی کی بقاء کا سلسلہ اس طرح جاری رکھا کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی کی پیدائش ہوتی پھر دوسرے حمل سے اسی طرح ایک لڑکا اور لڑکی کا جنم ہوتا تھا اور

نکاح کا طریقہ اس شریعت میں یہ تھا کہ ایک حمل کی لڑکی اور دوسرے حمل کے لڑکے کو رشتۂ ازدواج میں باندھ دیا جاتا تھا؛ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ہابیل اور قابیل جب پیدا ہوئے تو ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدصورت و بدشکل تھی اور قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ انتہائی حسین اور خوبصورت تھی، جب ضابطہ کے مطابق نکاح کا نمبر آیا تو قابیل نے کہا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے مَیں اسی سے نکاح کروں گا، قابیل نے کہا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے میرا اس سے نکاح جائز نہیں ہے۔

یہاں سے دونوں بھائیوں کے درمیان اختلاف اور تنازع شروع ہوگیا، ہابیل حق پر ہے اور قابیل ناحق اور باطل پر، گویا حق اور باطل کی جنگ چھڑ گئی، بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے فیصلہ صادر ہوا کہ دونوں اپنی اپنی قربانیاں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کریں، جو راہِ حق پر قائم ہے اس کی قربانی قبول ومنظور ہوگی، جو باطل کا سہارا لینے والا ہے اُس کی قربانی تسلیم نہیں کی جائے گی۔

قربانی کی قبولیت اور عدمِ قبولیت کا طریقہ یہ تھا کہ کسی پہاڑ پر اپنی اپنی قربانی رکھ دی جاتی، آسمان سے ایک آگ آتی اور مقبول قربانی کو جلا کر راکھ کردیتی؛ چنانچہ ہابیل اور قابیل نے اپنی اپنی قربانی پیش کی، آگ آئی اور ہابیل کی قربانی کو جلا کر چلی گئی گویا ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی، قابیل کو اس پر بڑا افسوس ہوا، غصہ میں جَل بُھن گیا اور ارادہ کرلیا کہ مَیں ہابیل کو قتل کردوں گا، الغرض! ہابیل اور قابیل کی جانب سے ابتداءً دنیا میں قربانی پیش کی گئی۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں انبیاء علیہم السلام نے قربانیاں پیش کی ہیں؛ لیکن امتِ محمدیہ ﷺ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جاری فرمادیا، یہ ایک آزمائش تھی، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے، واقعہ کا پس منظر یہ ہے:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کرکے ملکِ شام پہونچے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شکل میں آپؑ کو ایک لڑکا عطا فرمایا، ملکِ شام میں آپ علیہ السلام کو حکمِ ربانی ہوا کہ اپنی بیوی ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے شیر خوار بچے اسماعیل علیہ السلام کو لے کر انھیں بے آب وگیاہ وادی غیر ذی ذرع خانہ کعبہ کے پاس چھوڑ آؤ؛ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''صحیح البخاری'' میں بروایت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شیر خوار بچہ اسماعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لے کر چلے اور جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے اس جگہ ایک درخت کے پاس جو زم زم کے کنوئیں اور مسجدِ حرام کے بالائی حصہ پر تھا، دونوں کو وہاں چھوڑ دیا، یہ جگہ اس وقت غیر آباد تھی، پانی کا بھی دُور دُور تک نام ونشان نہیں تھا؛

اِس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چمڑے کے ایک تھیلے میں کھجور اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا اور پیٹھ پھیر کر روانہ ہوگئے، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو یہ بتانا بھی گوارا نہ کیا کہ مجھے اللہ کی طرف سے حکم ہوا ہے، بعدہٗ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا آللہ أمرك بهٰذا؟ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! یہ جواب سُن کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: إذْ لَا يُضِعُنَا اگر اللہ کا حکم ہے تو جایئے، اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، یہ کہہ کر واپس لوٹ آئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہوگئے۔ (بخاری)

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیوی اور بیٹے کے لیے دعا کی:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَ ارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ (سورۂ ابراہیم، پارہ: ۱۳، آیت: ۳۷)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! مَیں نے اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک میدان میں بسایا جو زراعت کے قابل نہیں ہے، اے ہمارے پروردگار! تا کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں؛ لہٰذا آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف متوجہ کر دیجیے پھلوں کو ان کا رزق بنایئے؛ تا کہ وہ شکر گزاری کریں۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کچھ دن تک مشکیزہ کا پانی اور اپنے پاس موجود کھجوریں کھاتی رہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی رہیں؛ لیکن جب پانی ختم ہوگیا اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پیاسی ہوگئیں، شیر خوار بچہ بھی شدید پیاس سے بلبلانے لگا، بے تاب ہوکر ایڑیاں رگڑنے لگا تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے یہ منظر دیکھا نہ گیا، پانی کی تلاش میں صفاء پہاڑی پر چڑھ گئیں؛ تا کہ کہیں پانی کا کچھ نشان نظر آئے؛ مگر کچھ نظر نہیں آیا، اس دَوران بیٹے کی محبت نے جوش مارا، لختِ جگر کے پاس دوڑ کر آئیں پھر برداشت نہ ہوا، دوڑ کر مروہ پہاڑی پر دیکھنے لگیں کہ پانی کا کچھ نشان نظر آئے؛ مگر کچھ دکھائی نہ دیا، پھر اپنے بیٹے کے پاس دوڑی دوڑی آئیں، کئی بار اسی طرح ہوتا رہا، کبھی صفاء پر کبھی مروہ پر؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو یہ اداء اتنی پسند آئی کہ قیامت تک حجاجِ کرام کے لیے صفاء ومروہ کے درمیان ۷ رمرتبہ دوڑنا ضروری قرار دے دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ لختِ جگر جب اپنی عمر کی تیرہ بہاریں مکمل کر چکا تو آپ پر اللہ رب العزت کی جانب سے ایک سخت آزمائش آن پڑی، وہ آزمائش یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وقتاً فوقتاً مکہ مکرمہ آیا جایا کرتے تھے، انہیں ایام میں آپ علیہ السلام نے خواب میں تین دن مسلسل دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ

السلام کو ذبح کررہے ہیں؛ چونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے، انھوں نے اپنے لختِ جگر سے اس کا تذکرہ فرمایا اور کہا: اے میرے بیٹے!

﴿اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ﴾ (سورۂ صافات، پارہ: ۲۳، آیت: ۱۰۲)

''مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ مَیں تمہیں ذبح کررہا ہوں، بتاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟؟؟

تو حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بالآخر پیغمبر تھے، وہ کیسے اختلاف کرسکتے، انھوں نے جواب دیا:

﴿یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ۱۰۲﴾ (سورۂ صافات، آیت: ۱۰۲)

''ابا جان! آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے وہ کر گزریے، ان شاء اللہ مجھے آپ صبر کرنے والا پائیں گے''۔

چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس خواب کو پورا کرنے کے لیے نکل پڑے تو راستے میں شیطان ۳؍مرتبہ درمیان میں حائل ہوتا ہے، ہر دفعہ آپؑ کنکریاں مار کر شیطان کو دفع کرتے ہیں، یہ عمل بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس قدر محبوب ہوا کہ قیامت تک کے لیے رمی جمرات کو مناسکِ حج کا ایک حصہ قرار دے دیا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لاڈلے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے لٹادیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فوراً فدیہ لے کر جانے کا حکم دیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے ہی پکارنے لگے: اللہ اکبر! اللہ اکبر! زمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو بشارت سمجھ کر بول اُٹھے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرْ ادھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ آنے کی اطلاع ہوئی، تو آپؑ بھی پکار اُٹھے اللهُ أَكْبَرْ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اِس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ایک خوبصورت فربہ اور موٹا مینڈھا قربان گاہ میں آگیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ یہی مینڈھا ذبح ہوا، اسی کو قرآنِ کریم نے کہا ﴿وَ فَدَیۡنٰہُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ ۱۰۷﴾۔

عیدالاضحیٰ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے مہمان نوازی بھی ہوتی ہے اور ثواب بھی بھرپور ملتا ہے، حدیث پاک میں ہے کہ بقرعید کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ مقبول اور محبوب عمل قربانی کرنا ہے، قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ زندہ ہوکر آئے گا۔ (ترمذی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں عرض کیا کہ قربانی کیا ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور ہر بال کے عوض نیکی ملتی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کے خون کے ہر قطرہ سے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں (مراد گناہِ صغیرہ)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ قربانی کا خون اگرچہ زمین پر گرتا ہے؛ مگر خدا کی حفاظت میں رہتا ہے، قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے یہاں مقبول ہوجاتا ہے؛ لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بقرعید کے روز سب سے پسندیدہ عمل قربانی کے خون کا بہانا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے اشاد فرمایا: جو شخص باوجود وسعت وگنجائش کے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

ہم تقاریر اور وعظ میں بارہا سنتے ہیں کہ اللہ کے پاس نہ جانوروں کا گوشت پوست اور نہ خون پہونچتا ہے؛ بلکہ تقویٰ پہونچتا ہے، نہ پہونچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قربانیوں کے گوشت اور خون کو اپنے پاس اُٹھا کر نہیں لے جاتا؛ بلکہ تمہارے اعمالِ صالحہ اللہ کے پاس پہونچتے ہیں۔

چنانچہ ابتدائی خطبے کے بعد جو آیت پیش کی گئی اس کے شانِ نزول کے متعلق لکھا گیا ہے کہ دَورِ جاہلیت میں لوگ قربانی کا خون کعبہ میں چھڑکتے اور گوشت کے ٹکڑے وہاں بکھیرتے تھے، جب اسلامی دَور آیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم اس عمل کے زیادہ مستحق ہیں، ہم بھی کعبہ میں خون کا چھڑکاؤ کریں گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں یہ ظاہری گوشت، خون، ہڈیاں اور چمڑا نہیں پہونچتا؛ بلکہ وہاں اندرونی عمل نیک نیتی اور صلاح واصلاح کے کاموں کا عوض پہونچتا ہے اور انسان اسی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

وماتوفيقي إلا بالله

❑❖❑

فضائل ومسائلِ قربانی

ازقلم:
مولانا یوسف صاحب مفتاحی

﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝﴾

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ قربانی کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

پھر صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے لیے اس میں کیا فائدہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے، پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے دریافت کیا اگر اُون والا جانور ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر اُون کے بدلہ ایک نیکی لکھی جائے گی۔

(مشکوٰۃ: ج/۱،ص/۱۱۸)

مذکورہ بالا حدیث میں حضور ﷺ نے قربانی کی کس قدر ثواب اور فضیلت بتلائی کہ اُس کے ثواب کو دیکھتے ہوئے ہر مسلمان کو قربانی جیسے عظیم الشان عمل کو خوش دلی سے انجام دینا چاہیے، خدائے پاک کی مہربانی تو دیکھو کہ ہر بال کے بدلہ ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جانور کے بدن کے بال آدمی گننا چاہے تو نہیں گن سکتا، اندازہ لگائیے کتنا ثواب اللہ نے قربانی کے عمل میں رکھا ہے؛ چنانچہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دنوں میں کوئی عمل اللہ کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور یہ قربانی کا جانور قیامت کے میدان میں اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا، قربانی میں بہایا جانے والا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے دربار میں قبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے؛ لہٰذا قربانی انتہائی خوش دلی اور نیک جذبہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔

(مشکوٰۃ شریف: ج/۱،ص/۱۱۷)

خدائے پاک کا کرم کہ سینگ، بال اور کُھر کی ہمارے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے؛ لیکن قربانی کے جانور کی مذکورہ چیزوں کا ثواب بھی نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی ذوق وشوق اور حصولِ ثواب کی نیت سے قربانی کرتا ہے تو وہ قربانی اُس کے لیے جہنم سے آڑ بن جاتی ہے۔ قربانی فقط اللہ ہی کے لیے ہونی چاہیے، اس میں رِیا کاری یا اور کوئی دنیوی مقصد نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ﴾

''اللہ کے پاس نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے، نہ خون؛ بلکہ اُسے تو تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے''۔

(سورۂ حج، پارہ ۱۷، آیت: ۳۷)

اللہ تعالیٰ کو نہ جانور کے گوشت کی ضرورت ہے نہ خون کی ضرورت ہے؛ لیکن پھر بھی اُس نے قربانی کا حکم اِس لیے دیا؛ تاکہ یہ آزمائے کہ دل میں خوفِ خدا ہے یا نہیں ہے، کون حکمِ خدا کو خاطر میں لاتا ہے اور کون نہیں لاتا، جس کے دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے وہ ضرور حکمِ خدا کو بجالاتا ہے، اللہ ہمیں حصولِ ثواب کی نیت سے قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ لہٰذا قربانی ہر اُس مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہوتی ہے جس کے پاس ساڑھے ۷ رتولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اُس کی قیمت کا مال اُس کی حاجاتِ اصلیہ سے زائد ہو، یہ مال خواہ سونا چاندی یا زیورات ہوں یا مالِ تجارت ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد مکان ہو، قربانی کے معاملہ میں مال پر سال کا گزرنا شرط نہیں ہے۔ (فتاویٰ شامی: ۶/ ۳۱۲)

قربانی کی عبادت ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱، ۱۲ رتاریخ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان دنوں میں جب چاہے قربانی کرسکتے ہیں؛ البتہ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔

قربانی کے جانور اور اُن کی عمریں

بکرا، بکری پورا ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے۔ بھیڑ اور دُنبہ اگر اتنا فربہ اور تیار ہے کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے۔

گائے، بیل، بھینس دو سال کے ہونا ضروری ہیں۔

اُونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔

ان عمروں سے کم کے جانور قربانی کے لیے کافی نہیں ہیں۔

(کتاب المسائل: ج/ ۲، ص/ ۳۱۲)

قربانی کا مسنون طریقہ

اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے، خود ذبح نہ کرنے کی صورت میں قربانی کے وقت وہاں حاضر رہنا افضل ہے۔

جانور کو لٹانے سے قبل چھری تیز کرنا مستحب ہے، جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رُخ لٹا دیا جائے اور اِنِّیْ وَجَّهْتُ سے اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ پڑھیں، پھر بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُ اَكْبَرْ کہہ کر جانور کو ذبح کریں، ذبح کے بعد اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَخَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ پڑھیں۔

(کتاب المسائل: ج/ ۲، ص/ ۳۲۳)

❑❖❑

قرآن وحدیث کی روشنی میں

ایامِ قربانی تین دن یا چار دن!

ازقلم:
شیخ عتیق الرحمٰن قاسمی
بتحفظ سنت دارالعلوم دیوبند

الحمد لله الذي وفقنا أن نتبع مسالك أئمة الهدي وصلّى الله تعالىٰ علىٰ شمس الهداية والتقىٰ.

يا ربِّ صَلِّ وسلّم دائمًا أبدًا ❖ علىٰ حبيبك خير الخلق كلهم

حرفِ آغاز

اسلام ایک ایسا کامل ومکمل اور ہمہ گیر مذہب ہے، جو پوری انسانیت کے لیے پیغامِ رشد وہدایت، قیامت تک آنے والے مسائل کے لیے مشعلِ راہ اور روشنی کا منارہ ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ اسلامی قانون اور احکام وتعلیمات کے بنیادی سرچشمے ہیں، جس کی روشنی میں تا قیامت ہر مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے اور اس کو روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آنحضرت ﷺ کے ایک ایک قول وعمل کو نہایت اہتمام اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے بعد کے لوگوں تک پہنچایا اور فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کے حق کو ادا کیا، پھر جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کے ساتھ مذہبِ اسلام اور اسلامی تعلیمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا، صحابۂ کرامؓ اور ان کے متبعین جہاں کہیں گئے قرآن وسنت کی دولت ساتھ لیے گئے، جس قوموں سے ان کا سابقہ پڑا ان کو اس دولت کی قدر وقیمت سے روشناس کرایا اور آنحضرت ﷺ کو جو کچھ ارشاد فرماتے ہوئے، اور جس طرح عمل کرتے ہوئے دیکھا اسی طرح بیان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بہت سے اعمال ایسے ہیں جو صحابہؓ سے مختلف طرق سے مروی ہیں جو سلسلہ در سلسلہ بعد کے لوگوں تک پہونچے، لوگوں نے ان پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھی۔

ائمۂ اربعہ کا جب زمانہ آیا تو انہوں نے مسائل کے استنباط اور استخراج کے اُصول اور ضابطے بنائے،

ان کے یہ اُصول بھی کتاب وسنت کی روشنی میں وضع کیے گئے اوران کے مابین جو اختلاف ہے، وہ نقطۂ نظر اُصول استنباط کے اختلاف کی وجہ سے ہے، اس اختلاف کے باوجود بھی ان مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کو برحق سمجھتے ہیں، ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، اور کسی کو گمراہ نہیں قرار دیتے؛ مگر رفتہ رفتہ زمانہ گزرتا گیا، نت نئے فرقے وجود میں آتے گئے، فرقوں کا نہ تھمنے والا سیلاب اُمڈتا گیا، انھیں فرقوں میں ایک فرقہ ''فرقۂ غیر مقلدیت'' ہے، جس نے شیعیت کا لُبادہ اوڑھ کر اساطینِ امت پر طعن وتشنیع کی ناروا جسارت کی اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چودہ سو سال سے چلے آرہے مختلف فیہ مسائلِ صحیحہ میں اختلاف کرکے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنالی اور امت کے فروعی، انتہائی غیر اہم مسائل کو ایمان واعتقاد کا درجہ دے کر سوادِ اعظم کو شرک وبدعت کے دائرہ میں لا کھڑا کیا، کبھی تقلید کو شرک وبدعت سے موسوم کیا جاتا ہے، تو کبھی رفع یدین، قرأت خلف الامام، آمین بالجہر، مصافحہ بالید اور ایامِ قربانی جیسے مسائل کو لے کر چیلنج کرنا اور مناظرہ سے پہلے فتح مبین اور شکستِ فاش نامی قدآور پوسٹر تیار کرکے کامرانی کا سہرا باندھنا غیر مقلد کا ٹولہ کا آبائی طریقہ ہے۔

کاغذ پہ میری چھوٹی سی تصویر بنا کر
وہ اپنے قد کی اُونچائی پر ناز کرنے لگا ہے

انہیں مسائل میں سے ایک مسئلہ ایامِ قربانی کا (ایامِ قربانی تین دن ہیں یا چار دن) ہے۔ سب سے پہلے قربانی کا ثبوت قرآن وحدیث سے پیش کرتا ہوں، پھر ایامِ قربانی کے تعلق سے نقطۂ نظر پر بحث ہوگی۔

قربانی کا ثبوت قرآن سے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝﴾ (سورۂ کوثر، پارہ:۳۰)

دَلَالَتُهَا عَلٰى وُجُوْبِ صَلَاةِ الْعِيْدِ وَانْحَرَ الْبُدْنَ بَعْدَهَا ظَاهِرَةٌ. (إعلاء السنن: ج۱۷، ص۲۱۹)

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ﴾

(سورۃ الحج:۳۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کردی؛ تاکہ اللہ نے چوپائے انہیں دیے ہیں ان پر اللہ کا نام لیا کریں۔

عَنْ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَارَسُوْلَ اللهِ مَاهٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ؟ قَالَ: سُنَّةُ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمُ، قَالُوْا: فَمَالَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: لِكُلِّ شَعْرَةٌ حَسَنَةٌ، قَالُوْا: فَالصُّوْفُ يَارَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ. (سنن ابن ماجة، باب واب الأضحية: ص٢٢٦)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا: یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ (یعنی قربانی کی حیثیت کیا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت (اور طریقہ) ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہمیں اس قربانی کرنے میں کیا ملے گا؟ فرمایا: ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی، صحابۂ کرام رضوام اللہ علیہم نے (پھر سوال کیا) یارسول اللہ! اُون (کے بدلہ میں کیا ملے گا؟) فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی۔

قربانی کے دن اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف

ایامِ قربانی تین دن ہیں: ۱۰، ۱۱، ۱۲ ر ذوالحجہ۔

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی (ت ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

أَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةٌ: يَوْمُ الْأَضْحٰى، وَهُوَ الْيَوْمُ الْعَاشِرِ ذِي الْحِجَّةِ وَالْحَادِيْ عَشَرَ، وَالثَّانِيْ عَشَرَ وَذٰلِكَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنَ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ إِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ مِنَ الثَّانِيْ عَشَرَ. (بدائع الصنائع: ج٤، ص١٩٨، كتاب الأضحية)

ترجمہ: قربانی کے تین دن ہیں: یوم الاضحیٰ یعنی دس ذی الحجہ، گیارہ ذی الحجہ، بارہ ذی الحجہ کا دن۔

دلائل

دلیل نمبر (۱): ﴿لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾

ترجمہ: تاکہ اپنے فوائد کے لیے آموجود ہوں اور ایامِ مقررہ میں ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں۔

قال عبد الله ابن عمر رضي الله عنهما اَلْمَعْلُوْمَاتُ يوم النحر ويومان بعده.

(تفسير ابن ابي حاتم الرازي لأبي محمد عبدالرحمٰن ابن محمد الرازی: ج٦، ص٢٦١)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایامِ معلومات سے مراد یوم النحر (۱۰ ر ذوالحجہ) اور اس کے بعد دو دن ہیں۔

ضابطہ: امام ابوعبداللہ محمد ابنِ عبداللہ ابنِ محمد الحکم (ت ۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

لِيُعْلَمَ طَالِبُ هٰذَا الْعِلْمِ أنّ تفسير الصحابي الذي شَهِدَ الْوَحْي والتنزيل عند الشيخين حَدِيْثٌ مُسْنَدٌ.

ترجمہ: طالبِ علم کو یہ بات جاننی چاہیے کہ وہ صحابی جو وحی کے وقت موجود ہو اور نزولِ قرآن کے وقت حاضر ہو اس کی بیان کردہ تفسیر امام بخاری اور مسلم رحمہا اللہ کے نزدیک حدیث مسند کے حکم میں ہوتی ہے۔

دلیل نمبر (۲): عَنْ سَلْمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَايُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَبَقِيَ فِيْ بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ.

(صحيح البخاري: ج۲، ص۸۳۵، باب مايوكل من لحوم الأضاحي)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ نہ رہنا چاہیے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایامِ قربانی تین دن ہیں؛ اس لیے کہ جب چوتھے دن قربانی کا بچا ہوا گوشت رکھنے کی اجازت نہیں تو پورا جانور ذبح کرنے کی اجازت کہاں سے ہوگی؟

فائدہ: تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی، بعد میں اجازت دی گئی، اسے تین دن کے بعد بھی رکھا جاسکتا ہے۔

عن قتادة بن النعمان أن النبي صلّى الله عليه وسلم قال: كُلُوْا الْأَضَاحِيَّ وَادَّخِرُوْا.

(المستدرك: ج٤، ص٢٥٩)

ترجمہ: حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قربانی کا گوشت کھاؤ اور اس کو ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔

فائدہ: اِس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ''تین کے بعد گوشت رکھنے کی اجازت مل گئی، تو تین دن کے بعد بھی قربانی کی جاسکتی ہے''؛ اس لیے کہ گوشت تو سارا سال بھر بھی رکھا جاتا ہے، تو کیا قربانی کی اجازت سارا سال ہوگی، ہرگز نہیں! تین دن کے بعد قربانی کی اجازت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔

دلیل نمبر (۳): قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَلنَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ.

(أحكام القرآن: ج۲، ص۲۰۵، مؤطا مالك: ص٤٩٧، كتاب الضحايا)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قربانی کے دن تین ہیں۔

دلیل نمبر(۴): حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: **الأضحي يوم النحر ويومان بعده.**

(مؤطا إمام مالك: ص۱۸۹-۱۸۸، المحلي بالآثار:۷/ ٤٠)

ترجمہ: قربانی تین دن ہے، ایک دسویں ذوالحجہ اور دو دن اس کے بعد۔

دلیل نمبر(۵): عَنْ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ: إِنَّمَا النَّحْر فِيْ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ الْأَيَّامِ.

(إعلاءالسنن:۱۷/۲۳۲)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یقیناً قربانی انہیں تین دن میں منحصر ہے۔

دلیل نمبر(٦): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ. (إعلاءالسنن:۱۷/۲۳۲)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: قربانی کے تین دن ہیں۔

دلیل نمبر(۷): عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اَلنَّحْرُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ. (إعلاءالسنن:۱۷/۲۳۲

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: قربانی تین دن ہے۔

دلیل نمبر(۸): عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اَلْأَضْحٰى يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ.

(إعلاءالسنن:۱۷/۲۳۲)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: قربانی یوم النحر (دس ذی الحجہ) اور دو دن اس کے بعد ہے۔

دلیل نمبر(۹): عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: مَاذُبِحَتْ يَوْمَ النَّحْرِ وَالثَّانِيَ وَالثَّالِثَ فَهِيَ الضَّحَايَا. (إعلاءالسنن:۱۷/۲۳۲)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: جو جانور یوم النحر کو ذبح کیا گیا ہو اور اسی طرح دوسرے اور تیسرے دن تو وہ قربانی کے ہی جانور ہیں۔

ایامِ قربانی کے تین ہونے پر اجماع کی دلیل

(۱) ابن بنت نعیم نے لکھا ہے کہ: أَجْمَعَ الْفُقَهَاءُ عَلٰى أَنَّ الْأُضْحِيَّةَ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ عَشَرَ غَيْرُجَائِزٍ إِنَّمَا الشَّافِعِيُّ فَإِنَّهُ أَجَازَ مَافِيْهِ. (نوادرالفقهاء:۲/۲۲۲، بحواله إعلاءالسنن:۲۳۳۱۷)

ترجمہ: فقہاء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ قربانی تیرہ ذی الحجہ کو جائز نہیں ہے؛ مگر امام شافعیؒ کے نزدیک؛ اس لیے کہ انہوں نے تیرہویں ذوالحجہ کو قربانی کی اجازت دی ہے۔

غیر مقلدین کا موقف

قربانی کے چار دن ہیں: یعنی دس، گیارہ اور بارہ اور تیرہ ذوالحجہ۔

مولوی بشیر احمد ربانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

قربانی کا وقت نمازِ عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور ۱۳ر ذوالحجہ کو غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

(آپ کے مسائل کا حل: ج ر ۲، ص ر ۳۱۶)

دلیل: رَوَاهُ مُعَاوِيَةُ بْنُ يَحْيٰى الصَّدَفِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرَّةً عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَمُرَّةً عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ كُلُّهَا ذَبْحٌ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي: ج۹، ص۹۸)

ترجمہ: حضرت سعید بن المسیّب رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ر ذوالحجہ چونکہ ایامِ تشریق میں شامل ہے، معلوم ہوا کہ قربانی کے دن چار ہیں۔

جواب: اِس حدیث کی سند میں ایک راوی ''معاویہ بن یحییٰ الصدفی'' ہے جو کہ مجروح ہے۔

امام یحییٰ ابنِ معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: **معاوية ابن يحيىٰ الصدفي لاشيء.**

(الجرح والتعديل: ۸/ ٤٤)

ابوحاتم نے کہا: ضَعِيْفٌ فِيْ حَدِيْثِهِ إِنْكَارٌ.

قَالَ أَبُوْدَاوُدُ وَالنَّسَائِيُّ: ضَعِيْفٌ.

قَالَ السَّاجِيُّ: ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ جِدًّا. (تهذيب التهذيب: ج۷، ص۱۱٤)

اسی پر بس نہیں کہ اس حدیث کو معاویہ بن یحییٰ الصدفی کی بنا پر صرف ضعیف کہہ دیا جائے؛ بلکہ ابنِ ابی حاتم نے تو اس کو موضوع بھی کہہ ڈالا؛ چنانچہ خود قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ ابْنُ حَاتِمٍ حَدِيْثُ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَذَكَرَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ مَوْضُوْعٌ.

یعنی ابنِ ابی حاتم نے اس حدیث کو ابوسعید کی سند سے نقل کیا ہے اور اپنے والد کے حوالے سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور آگے فرمایا: أَحَادِيْثُهُ كُلُّهَا مَقْلُوْبَةٌ. (الجرح والتعديل: ج۸، ص۳۸٤)

علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ضَعَّفُوْهُ یعنی محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (الکاشف: ج ر ۲، ص ر ۲۷۷)

امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ادریس بن مہران المعروف ابن ابی حاتم الرازی نے یہ طریق نقل فرمایا: مُعَاوِيَةُ بْنُ يَحْيٰى الصَّدَفِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ. هٰذَا حَدِيْثٌ كَذِبٌ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ (یہ حدیث اس سند کے ساتھ جھوٹی ہے)(علل الحدیث ابن ابی حاتم الرازی: ج/۱،ص/۳۲۶)

ایک اور مقام پر لکھا ہے:

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی باسند صحیح یا حسن لذاتہ یہ ثابت نہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں''۔ (مقالات: ج/۴،ص/۳۴۰)

لیکن غیر مقلدین واقعتاً کسی کی نہیں سنتے، وہ محض اپنے دل و دماغ کی تقلید کرتے ہیں، اس روایت کو قابلِ استدلال بنانے کے لیے انہوں نے اپنا سارا زور ''معاویہ بن یحییٰ الصدفی'' کی توثیق کے لیے لگا دیا ہے۔

اس سلسلے میں ابوزرعہ کے ایک قول سے استدلال کرتے ہیں:

أَحَادِيْثُهُ كُلُّهَا مَقْلُوْبَةٌ مَا حَدَّثَ بِالرَّيْ وَالَّذِيْ حَدَّثَ بِالشَّامِ أَحْسَنُ حَالًا.

اس قول کو بنیاد بنا کر غیر مقلدین معاویہ بن یحییٰ الصدفی کی زندگی کے دو حصے کرتے ہیں: (۱) رے کی زندگی (۲) شامی زندگی۔ اور پھر اس قول کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ معاویہ بن یحییٰ الصدفی کی رے کے زمانہ کی تمام حدیثیں مقلوب ہیں، ہاں! شامی زندگی کی حدیثیں بہتر ہیں اور پھر اس حدیث کو شامی زندگی کی قرار دے کر اس کو قابلِ استدلال گرداننے لگتے ہیں؛ حالانکہ اس قول کا مطلب محض یہ ہے کہ ان کی تمام حدیثیں مطلقاً مقلوب ہیں جیسا کہ ''كُلُّهَا مَقْلُوْبَةٌ'' سے سمجھ میں آتا ہے، اور ''أَحْسَنُ حَالًا'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ شام کی ساری حدیثیں درست ہوں اور قابلِ استدلال ہوں۔ پتہ چلا کہ محدثین کی مذکورہ جرحوں کی بنیاد پر معاویہ بن یحییٰ الصدفی کی روایت سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اور کبھی تو قرآن کی من مانی تفسیر کر کے قرآن کے معنیٰ ہی بدلتے نظر آتے ہیں؛ چنانچہ ''اذکروا اللہ'' کی تفسیر کرتے ہوئے کفایت اللہ منابلی صاحب اپنی کتاب ''چار دن قربانی کی مشروعیت'' ص/۵ پر اولاً تو چار دن قربانی کی مشروعیت پر قرآنی آیات کا عنوان قائم کیا ہے، پھر اس کے ذیل میں سورۂ بقرہ کی آیت: ۲۰۳ ﴿وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ذکر کر کے تفسیر قرطبی (۱/۳)، تفسیر طبری (۲/۶۷۱)، ابن العربی کی احکام القرآن (۱/۱۴۱)، ان تمام حوالوں سے ''ایامِ معدودات'' سے ایامِ تشریق کا مراد ہونا واضح کیا؛ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: نصوصِ بالا سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ آیتِ کریمہ میں وارد ''ایام معدودات'' سے مراد باجماع امت ایام تشریق ہے، یعنی ذی الحجہ ۱۱، ۱۲، ۱۳ (حوالہ چار دن کی قربانی کی مشروعیت: ص/۵) اس میں تو کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے کہ ''ایامِ معدودات'' سے مراد ایامِ

تشریق ہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ صرف ''ایامِ معدوادت'' سے ایامِ تشریق ثابت کردینے پر ان کی دلیل تام نہیں ہوتی؛ اس لیے اب آیت کی معنوی تحریف کے درپے ہوتے ہیں اور ''اُذْکُرُوْا'' سے ذبح مراد لیتے ہیں، بایں طور کہ اس آیت میں مذکور لفظ ''اذکروا'' کو سورۂ حج کی آیت: ۲۸ میں موجود لفظ ''اُذْکُرُوْا'' پر قیاس کرتے ہیں اور وہاں باتفاق مفسرین ''ذکر'' سے ذبح ہی مراد ہے، پس جب یہاں بھی ''اذکروا'' سے ذبح مراد لے لیں گے تو ایامِ تشریق میں ذبیح ثابت ہوجائے گا، نتیجتاً چاردن قربانی ثابت ہوجائے گی؛ لیکن یاد رکھیے سنابلی صاحب! سورۂ بقرہ میں موجود ''ذکر'' سے ذبح نہیں؛ بلکہ ''تکبیر'' مراد ہے، اور سورۂ بقرہ کی آیت کا مقصد ایامِ تشریق میں تکثیر کی تلقین ہے، آپ نہ دیکھ سکے تو آیئے ہم آپ کو دکھاتے ہیں۔

''اُذْکُرُوْا'' کی تفسیر علامہ طبری کی زبانی

جامع البیان فی تاویل القرآن معروف بہ تفسیر طبری میں ''اذکروا'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یعنی جَلَّ ذِکْرُہٗ: اُذْکُرُوا اللّٰہَ بِالتَّوْحِیْدِ وَالتَّعْظِیْمِ فِیْ أَیَّامٍ مُحَصَیَاتٍ، وَھِيَ أَیَّامُ رَمْيِ الْجِمَارِ أُمَرَ عِبَادَہٗ بِالتَّکْبِیْرِ أَدْبَارَ الصَّلَاۃِ، وَعِنْدَ الرَّمْيِ مَعَ کُلِّ حَصَاۃٍ. (تفسیرطبري: ج۲/۳-٤ دارالکتب العلمیة)

ترجمہ: اللہ جل شانہٗ کی مراد یہ ہے کہ: اللہ کو یاد کرو توحید اور تعظیم کے ساتھ گنتی کے چند دنوں میں، اور وہ رمی جمار کے دن ہیں، اللہ نے اپنے بندوں کو نمازوں کے بعد اور ہر کنکری مارنے کے وقت اللہ اکبر کہنے کا حکم دیا ہے، پتہ چلا کہ ''اذکروا'' سے تکبیر مراد ہے نہ کہ ذبح۔

''اذکروا'' کی تفسیر علامہ قرطبی کی زبانی:

أَمَرَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عِبَادَہٗ بِذِکْرِہٖ فِي الْأَیَّامِ الْمَعْدُوْدَاتِ. (تفسیرقرطبی: ج۳/۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایامِ معدودات میں اپنے ذکر کا حکم دیا ہے۔

تمام ہی مفسرین نے ایامِ معدودات کی تفسیر ایامِ تشریق ہی سے کی ہے اور ذکر سے مراد تکبیر ہے؛ لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ آیتِ کریمہ ﴿اذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ میں (۱) ذکر اللہ سے مراد تکبیر ہے (۲) ذبح مراد نہیں ہے (۳) ذکر سے تکبیر مراد ہونے پر اجماع ہے؛ لہٰذا اگر کہیں اس کے خلاف کچھ نظر آتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ خلافِ اجماع ہونے کی وجہ سے مرجوح ہوگا؛ لہٰذا چاردن قربانی: (۱) نہ قرآن سے ثابت (۲) نہ حدیث سے ثابت (۳) نہ آثارِ صحابہؓ سے ثابت اور چاردن قربانی کرنے کے ثبوت میں پیش کیے جانے والے دلائل علل قادحہ کی بنا پر نا قابلِ استدلال ہیں؛ لہٰذا چاردن کی قربانی دلائلِ شرعیہ سے ثابت نہیں ہے۔

❑❖❑